جانتا ہے کہ میں نے اپنے امکان تک تجھے پہچانا۔ اب مجھے بخش دے، کہ میرا تجھے پہچاننا تیری بارگاہ میں میرا وسیلہ ہے۔" یہی دعا کرتے کرتے روح پرواز کر گئی[1]

ایسا تذکرہ نگار جو خیام کے دوست کا بیٹا اور خیام کے داماد کا دوست یا شناسا تھا اور خود اپنے ...... باپ کے ساتھ خیام کی خدمت میں حاضر بھی ہو چکا تھا، اپنی کتاب "تتمہ صوان الحکمہ" میں جو ۵۴۹ھ کی تالیف ہے، اس عنوان کے تحت خیام کا ذکر کرتا ہے: الدستور الفیلسوف حجتہ الحق عمر بن ابراہیم الخیامؒ[2] علامہ سید سلیمان ندوی نے مذکورۂ بالا کتاب کے آخر میں خیام کے وہ تمام رسائل نقل کر دیئے ہیں۔ جو انہیں دستیاب ہوئے ہیں۔ ان میں ایک ان دو خطوط پر مشتمل ہے جو قاضی ابوالنصر محمد بن عبدالرحیم النسوی اور خیام نے ایک دوسرے کو لکھے ہیں۔ اس مراسلت کا آغاز (حمد و نعت کے بعد) اس طرح ہوتا ہے[3]

"کتب ابونصر محمد بن عبدالرحیم ——— سنۃ ثلاث وسبعین واربعمائۃ الی السید الاجل حجۃ الحق، فیلسوف العالم، نصرۃ الدین سید حکماء المشرق والمغرب ابی الفتح عمر بن ابراہیم الخیامی" الخ

بیہقی نے خیام کے ذکر کے عنوان میں، اور اس مراسلت کے مولف نے اپنے دیباچے میں عمر خیام کے باپ کا نام "ابراہیم" لکھا ہے۔ نیز خیام کے مذکورۂ بالا رسائل کے مخطوطوں میں اگر خیام کی ولدیت لکھی گئی ہے، تو وہ صرف اور فقط ابراہیم ہے۔ کسی ایک شخص نے بھی چاہے وہ خیام کا معاصر ہو یا اس کے بعد کا تذکرہ نگار، اس کی ولدیت بجز ابراہیم اور نہیں لکھی۔

اس اتفاق کی پشت پر خود خیام کا اپنا بیان بھی ہے۔ سید صاحب نے اس کا فارسی رسالہ نقل کیا ہے، جس کا عنوان ہے: رسالہ بالعجمیہ لعمر بن الخیام فی کلیات الوجود" اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے[4]

---

[1] تتمہ صوان الحکمہ ۱۱۰ طبع لاہور ۱۳۵۱ھ [2] ایضاً ۱۱۲ [3] خیام ۳۰۷ [4] ایضاً ۴۱۲

چنیں گوید ابوالفتح عمر بن ابراہیم الخیامی الخ

اس کے بعد یہ کہنے کی گنجائش مطلق نہیں رہتی کہ خیام کے باپ کا نام ابراہیم نہیں، بلکہ عثمان تھا، اور وہ خاقانی کا چچا تھا، کیوں کہ یہ خود خاقانی کی تصریح کے بھی خلاف ہے اور خیام کے بیان سے بھی مطابقت نہیں رکھتا۔ اس پر اگر اس حقیقت کا اضافہ کر لیا جائے تو میرے بیان کی مزید تائید ہوگی کہ خیام کا مولد ومنشا نیشاپور تھا، جو صوبۂ خراسان میں واقع ہے، اور خاقانی اور اسکے باپ اور چچا شروان کے باشندے تھے جو صوبہ آذربائیجان کا ایک شہر ہے۔ اور ان دونوں میں بہت بُعد ہے۔

یہ امر بھی کم لائق توجہ نہیں کہ خاقانی نے اپنے چچا کے طبیب ہونے کا ذکر شدومد سے کیا ہے۔ اور خیام کی شہرت طبیب کی حیثیت سے بالکل نہیں۔

لہٰذا ہمیں یہ مان لینا چاہیے کہ تحفۃ العراقین کے مطبوعہ نسخے میں سے جو عنوان آغاز مضمون میں نقل کیا گیا ہے، اس میں لفظِ عمر خیام یا تو اُس نسخے کے کاتب کی اُپج ہے، جو مطبوعہ کا اصل تھا، یا اس مطبوعہ کے مصحح کو دھوکہ ہوا۔ خاقانی کا چچا عمر بن عثمان تھا، اور خیام کا نام عمر بن ابراہیم الخیام تھا۔ اور یہ دونوں جداگانہ شخصیتیں تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رض کے سرکاری خطوط

خلیفۂ اوّل حضرت صدیق اکبر رض کے وہ تمام خطوط مع اصل و ترجمہ یکجا کیے گئے ہیں جو خلیفۂ اول نے اپنی خلافت کے پرآشوب اور ہنگامہ خیز دور میں حاکموں گورنروں اور قاضیوں کے نام تحریر فرمائے ہیں ان مکتوبات کے مطالعہ سے حضرت صدیق اکبر کی لاثانی انتظامی خصوصیات اور طریق کار سامنے آجاتا ہے۔ قیمت مجلد سات روپے

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو برہان جون ۱۹۷۱ء

ہندوتہذیب اور مسلمان

جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب استاذ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ نئی دہلی

(۳۰)

سواریاں

عرب کے مسلمان اونٹ اور ایران وتوران کے گھوڑے سواری اور باربرداری کے لیے استعمال کیا کرتے تھے لیکن ہندوستان میں آنے کے بعد اس ملک کے جغرافیائی حالات اور یہاں کے چلن اور دستور کے مطابق مسلمانوں نے ہندوستانی سواریوں کو اپنا لیا۔

ہاتھی غزنویوں کے دورِ حکومت سے ہی مسلمانوں میں ہاتھیوں کا استعمال جنگ، سواری اور باربرداری کے لیے شروع ہو گیا تھا سلاطین دہلی اور عہد مغلیہ میں یہ رواج عام ہو گیا تھا اکبر بادشاہ کے متعلق ابوالفضل نے لکھا ہے:

"خاصے کی سواری کے لیے ہمیشہ ایک سو ایک ہاتھی جدا اور مخصوص رہتے ہیں[۱]۔ بادشاہ عالم پناہ ابتداء سے تا ایں دم اس آسمان پیکر جانور پر سوار ہوتے ہیں اور اس دیوزاد حیوان کو اپنے قابو میں رکھتے ہیں۔ قبلۂ عالم اس سواری میں اس قدر مشاق ہیں کہ ہاتھی کے عالم مستی میں جانور کے دانتوں پر پاؤں رکھ کر اس پر سوار ہو جاتے ہیں جس سے تماشائیوں کو سخت حیرت

---

[۱] آئین اکبری (ا۔ ت۔) ج ا، ج ۱: ۲۲۴، نیز منوچی: ۱۱ :۳۶۳۔

دستیاب ہوتا ہے[1]

ہاتھیوں پر بڑی عمدہ اور دلکش عماریاں[2] کسی جاتی تھیں جو کافی وسیع ہوتی تھیں کہ دوران سفر میں سوار اس میں آرام بھی کر سکتے تھے۔

سواری کے ہاتھیوں کی سجاوٹ کی جن چیزوں کا ابوالفضل نے ذکر کیا ہے ان میں سے سب سے زیادہ اہم ذیل چیزیں تھیں۔ دھرنہ: لوہے، چاندی یا سونے کی ایک بڑی زنجیر۔ لوہ لنگر، ایک لمبی زنجیر جو ہاتھی کو بھاگنے سے روکتی تھی۔ گدیلہ، ایک تکیہ، جس کو ہاتھی کی پیٹھ پر رکھ کر نیچے طناب سے باندھتے تھے۔ پھور آسی، چند گھونگرو تاگے میں گوندھ کر بانات کے ایک ٹکڑے میں سی دیتے تھے اور

---

[1] آئین اکبری (ا۔ت) ج ۱، ج ۱، ۲۴۴ - ہاتھیوں کی قسمیں، ان کی سجاوٹ کے لوازمات وغیرہ کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: آئین اکبری، فیل خانہ (آئین ۴۴) ۲۱۶: ۲۲۹، رخت: ۲۳۶ - ۲۴۱

[2] عماری یا ہودہ کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو۔ برنیر (انگریزی): ۵۳ (حاشیہ ۲): ۵۴ (حاشیہ ۱)

نظیر اکبرآبادی نے سواری کے ہاتھی کا یوں ذکر کیا ہے۔

ہاتھی جو تھے پہاڑ کی مانند تن سیاہ جن پر کسیں عماریاں درخشندہ رشک ماہ
ہودوں کی بھی چمک پہ ٹھہرتی نہیں نگاہ کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے واہ واہ

کلیات نظیر اکبرآبادی ۵۳۶

عماریوں اور ہودوں کی ساخت اور سجاوٹ کے بارے میں مفصل معلومات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ احمد شاہی: ۱۲۹ ب، سیرالمتاخرین (انگریزی ترجمہ) ۱: ۳۱۱ (حاشیہ ۲۶۲)

TWINING: TRAVELS IN INDIA: 36, 275-76.

HEBER: TRAVELS IN INDIA ETC. I, P. 30 VALENTIA: VOYAGES AND TRAVELS ETC. I, P. 137. ہفت تماشا: ۶۳

اس کو ہاتھی کے سُرین اور سینے کے قریب آگے کی طرف باندھتے تھے۔ اس زیور سے ہاتھی کی آرائش اور اس کی شان میں نمایاں اضافہ ہوجاتا تھا۔ پٹ کچھ، وہ زنجیریں جو خوبصورتی کے ا ہاتھی کے دونوں طرف باندھی جاتی تھیں، اور گھنٹا زنجیروں میں لٹکا کر شکم کے نیچے باندھتے تھے مطاس (تبت کے بیل کے دم کے چھوٹے مورچھل) یہ ساٹھ یا اس سے کم وزائد ہوتے تھے۔ اور ہاتھی کے گلے، دانتوں، گردن، اور پیشانی پر لٹکاتے تھے۔ تیا، پانچ لوہے کی تیلیوں کو جو ایک ایک گز لانبی اور چار چار انگشت چوڑی ہوتی تھیں۔ لوہے کے چھلوں سے ایک دوسرے سے باند دیتے تھے۔ گج جھنت، ایک پوشش ہوتی تھی جو شان وشوکت کے لیے پاکھر کے اوپر ڈالی جاتی تھ یہ ولائتی ٹاٹ کو تین تہہ کر کے سیتے تھے اور باہر کی جانب اس میں چوڑے بند ٹانکتے تھے۔ میگھ ڈنبر[1] یہ ایک شامیانہ ہوتا تھا جس کو اکبر بادشاہ نے ایجاد کیا تھا۔ رن بھل۔ یہ پیشانی بند تھا۔ زربفت وغیرہ قیمتی کپڑوں کا تیار کیا جاتا تھا۔ اس کے دامن میں بہترین نادوختہ کپڑے اور مورچھل لٹکاتے تھے جو ہوا میں ہلتے اور خوشنما منظر پیش کرتے تھے۔ گینتلی، چار چھلوں کو باہم ملاتے تھے اور تین ان کے اوپر اور دو حلقے سب سے اوپر جوڑ کر ہاتھی کے پاؤں میں لٹکاتے تھے جس سے اس کی شا دوبالا ہوجاتی تھی۔ پائے رنجن، چند گھونگھرو کے مجموعے کا نام تھا جو گینتلی کی طرح پاؤں میں جاتے تھے[2]

صوبہ آگرہ، صوبہ الہ آباد، صوبہ مالوہ، صوبہ بہار، صوبۂ بنگال میں کثرت سے ہاتھی پا

---

[1] برنیر (انگریزی) ۲۷۰۔ ہودہ ایک ہیضوی کرسی ہوتی تھی جس پر چھتری ہوتی تھی اور مختلف اور سنہری چیزوں سے مزین کی جاتی تھی۔ میگھ ڈنبر، کمرہ نما لکڑی کا ایک چھوٹا سا مینار ہوتا تھا جو ملمع ا ہوتا تھا۔

[2] آئین اکبری (ا۔ت) ج ۱۔ ح ۱: ۲۳۶-۲۴۱۔ ہاتھیوں کو طلائی کڑے بھی پہنائے جاتے مجموعہ مثنویات میرحسن: ۳۷

جاتے تھے اور مغلیہ فیل خانے کے لیے ان علاقوں سے ہاتھی منگوائے جاتے تھے[1]

شاہان مغلیہ ہاتھی کی سواری کرتے تھے۔ جہانگیر کے زمانے میں ہاتھی کا ایک طلائی ہودا تیس ہزار روپے کی لاگت سے تیار کروایا گیا تھا۔[2]

شاہ جہاں بادشاہ کے کشمیر کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے برنیر نے لکھا ہے کہ دوران سفر میں کبھی کبھی بادشاہ ہاتھی پر بھی سوار ہوتا تھا جس پر میگھ ڈنبر یا ہودہ رکھا ہوتا تھا سفر کا یہ بہت شاندار اور دلکش طریقہ تھا۔ کیوں کہ ہاتھی کی بلندی شان وشوکت، و آرائشی لوازمات سے بہتر کوئی دوسری چیز جاذب نظر نہیں ہو سکتی تھی۔[3]

شاہی خاندان کی مستورات اکثر و بیشتر ہاتھیوں پر سفر کرتی تھیں۔ ان ہاتھیوں کے بڑے بڑے چاندی کے گھنٹے پڑے ہوتے تھے اور بڑی قیمتی چیزوں سے سجے ہوتے۔ ان کی جھولیں وغیرہ نہایت زرق برق اور بیش قیمت اور آرائشی چیزیں جو جھول وغیرہ میں لٹکائی جاتی تھیں، نہایت عمدہ زردوزی کے کام کی ہوتیں۔ برنیر کا بیان ہے "یہ حسین وجمیل اور ممتاز بیگمیں اپنے میگھ ڈنبروں میں بیٹھی ہوئی ایسی دکھائی دیتی تھیں گویا ہوا میں پریاں اڑتی جا رہی ہوں۔ ہر ایک میگھ ڈنبر میں آٹھ عورتیں بیٹھ سکتی تھیں۔ چار ایک طرف اور چار دوسری طرف۔ میگھ ڈنبر کے ہر ایک خانے پر ریشمیں جالی کا غلاف پڑا ہوا ہوتا تھا اور چوڈول اور تخت رواں کی شان و شوکت اور زرق و برق سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ برنیر نے روشن آرا کی سواری کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جو بیگم کے ہاتھی پر سوار تھی۔[4]

---

[1] آئین اکبری۔ ج ۱۔ ج ۱: ۲۲۶، خلاصۃ التواریخ: ۱۵-۱۶

[2] اقبال نامہ جہانگیری (معتمد خاں، اردو ترجمہ) جس موقع پر مہابت خاں نے جہانگیر بادشاہ کو گرفتار کیا تھا۔ اس وقت وہ سواری خاصہ کی ہتھنی پر سوار تھا۔ ۲۲۹، ۲۳۰

[3] برنیر۔ ص ۳۷۰ [4] برنیر۔ ص ۳۷۲

اورنگ زیب کے زمانے میں سواری خاصہ کے لیے ایک سو ایک ہاتھیوں کے بجائے صرف سو ہاتھی مخصوص تھے جو اپنی بلندی، اور قوت کے لیے ممتاز تھے۔ ان کے علاوہ کچھ ہتھنیاں بھی تھیں، جن پر سواری کرنا بادشاہ باعث تحقیر نہیں سمجھتا تھا۔ ان ہاتھیوں کو بندوقوں، گولوں، توپوں، چرخیوں اور دوسری قسم کی آتشبازیوں کے سامنے اپنی جگہ پر جمے رہنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر ان چیزوں کا سامنا ہو تو خوف زدہ ہو کر بھاگ نہ کھڑے ہوں۔ کچھ ہاتھیوں کو اس بات کی بھی تعلیم دی جاتی تھی کہ وہ شیر اور تیندوے کو دیکھ کر ہراساں نہ ہوں تاکہ ایسے ہاتھیوں کو شکار کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ ہاتھیوں کی اچھی خاصی دیکھ بھال کی جاتی تھی اور انکی خوراک کا بڑا اہتمام کیا جاتا تھا[1] ان کو شراب بھی پلائی جاتی تھی تاکہ میدان جنگ میں ان کی ہمت میں اضافہ ہو جائے۔ شاہان مغلیہ کا یہ بھی ایک دستور تھا کہ جمنا کے کنارے جھروکے کے نیچے ایک ہاتھی ہمہ وقت ایک سنتری (دربان) کی صورت میں کھڑا رہتا تھا۔ ان ہاتھیوں میں سے ایک ہاتھی سب سے زیادہ بلند قامت، طاقت ور اور لحیم شحیم تھا، جو ہاتھیوں کا "سردار" کہلاتا تھا۔ اس ہاتھی کو جب دربار میں لایا جاتا تھا تو اس پر زرنگین اور بھڑکیلی جھول ڈالی جاتی تھی۔ سنہرے روپہلے زیورات سے آراستہ پیراستہ کیا جاتا تھا اور اس کے ہم رکاب دوسرے ہاتھی بھی ہوتے تھے اس موقع پر بانسریاں بگل اور سنکھ بھی بجتے تھے اور اس جلوس کے ساتھ جھنڈے بھی ہوتے تھے۔ ان تمام وجوہ کی بناپر وہ منظر بڑا شاندار معلوم ہوتا تھا[2]

فیلان خاصہ کے علاوہ چودہ سو ہاتھی اور ہوتے تھے۔ یہ ہاتھی رانیوں، شہزادیوں، اور انکی خواص کی سواریوں، خیموں اور مطبخ کے برتنوں اور دیگر سامان کے لانے لے جانے کے لیے استعمال

---

[1] اکبر بادشاہ کے زمانے میں خوراک وغیرہ کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ آئین اکبری (ا۔ت۔)، ج ۱، ج ۱، ص ۲۳ - ۲۳۵ - ۲۴۳ - ۲۴۵ -

[2] منوچی ۲/ص ۳۶۲ - ۳۶۴ -

میں آتے تھے۔ ان باربرداری کے ہاتھیوں میں سے سب سے زیادہ قوی ہیکل ہاتھی جن کے دانت نہیں ہوتے تھے، دشوار گذار زمینوں پر توپ خانہ لے جاتا تھا۔ اور اسی قسم کی دوسری خدمات انجام دیتا تھا۔ جب یہ ہاتھی باہر نکلتے تھے تو ان کے گھنٹے باندھ دیئے جاتے تھے تاکہ ان کی آواز سے راہگیر ہوشیار ہوجائیں اور راستہ صاف کردیں۔ کیوں کہ جب ہاتھی دوڑتا تھا یا تیز رفتاری سے چلتا تھا تو اس کو اتنی آسانی سے روکا نہیں جاسکتا تھا جتنی آسانی سے گھوڑے کو روک سکتے تھے[1]

اورنگ زیب کے عہد حکومت میں فیلان خاصہ کے نام یہ تھے۔ خالق داد، میمن مبارک، خداداد، سروسیرت، دل کشا، بخت بہادر، یک دانتا، دل پسند، کبرا، ملام مست، سدا مست، نٹاؤ، دل کشا، بابا بخش، نیک بخت، مکنا، کماری، بلند سرپلا، لطیف، نرسنگھ، خوب رو، فتح مبارک، دل دلیر، شاہ عنایت، اللہ بخش، فتح نصرت، دائم شکوہ، دلاسا سیرت، فتح جنگ، دل سنگار، لشکر شوبھا، دشمن کش، کالا پہاڑ، عقدہ در، کشا در کشا، زلزلہ، خونی، خوفناک، دل مدھن، مہا موہن، اتم، ہاگ مار، پرزور، ماہ رو، ستارہ، کشا در غرور، سندر گج، پائے تخت، آتشی، نور لعل، ہیرا، خوش رفتار، تیز رو، مانک صورت، بگھیلا، دائم نصر، چاند کنور، قلعہ شکن، کوہ شکن، خوش شکیل وغیرہ[2]

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یہ دستور جاری رہا۔ عام طور پر شاہان مغلیہ ہاتھی پر سوار ہو کر باہر نکلتے تھے[3] اور بالخصوص عیدین کو وہ ہاتھی پر عیدگاہ جاتے تھے[4] کسی دوسرے

---

[1] منوچی ۲/ص ۳۶۴ [2] منوچی ۲/ص ۳۶۲-۳۶۳

[3] سیر المتاخرین (ا۔ت) ۲/ص ۱۲

GROSE: A VOYAGES TO THE EAST INDIES. I, PP.

[4] احمد شاہ بادشاہ کے متعلق لکھا ہے "از قلعہ مبارک برفیل سوار شدہ... تاریخ احمد شاہی ص ۶۸ الف

نیز گلدستہ منشی چندر بھان۔ ص ۲۰، ۲۱۱ الف، واقعات اظفری ص ۹۱

علاقے پر فوج کشی کے لیے روانگی کے وقت اور وہاں سے فتح یابی کے بعد واپسی پر ہاتھی پر ہی آیا جایا کرتے تھے۔[۱]

حالانکہ نادر شاہ کے حملے کے بعد فیل خانہ تباہ و برباد ہو گیا تھا[۲] لیکن سرکار مغلیہ میں دو چار ہاتھی ضرور رہتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر کے سواری کے ہاتھی کا نام مولا بخش تھا۔ وہ اپنے آقا سے اتنی محبت کرتا تھا کہ جس دن اس نے بادشاہ کے گرفتار ہونے کی خبر سنی، اسی دن اس کی روح پرواز کر گئی۔[۳]

حالانکہ ہاتھی کی سواری شاہان مغلیہ کا خصوصی حق تھا۔ بلا بادشاہ کی اجازت کے کوئی سرکاری ملازم یا کوئی دوسرا شخص ہاتھی پر سواری نہیں کر سکتا تھا[۴] مگر اٹھارہویں صدی

---

[۱] حسن پور کے میدان میں قطب الملک عبداللہ خاں کو شکست دینے کے بعد محمد شاہ بادشاہ بڑی شان و شوکت سے شہر میں داخل ہوا۔ ہاتھی زربفت کی جھولوں، نقرئی و طلائی پاکھروں سے آراستہ پیراستہ اور نشان زرنشان طلاکار زرنگار ایسے تھے کہ جن پر آنکھ نہیں جمتی تھی۔ سیر المتاخرین ۲/ص ۶۸-۶۹۔ ہم عصر شواہد کے لیے ملاحظہ ہو۔ وقائع انندرام مخلص (قلمی) ۲/ص ۶۰ ب خافی خاں ۲/ص ۹۳۵، ۷۰۳

[۲] رسالہ محمد شاہ و خاندوراں خاں ص ۱۷۲ ب، احمد شاہ کے زمانے میں فیل خانے کے ہاتھیوں کو چار چار دن تک راتب نہ ملتا تھا اور وہ اتنے کمزور و لاغر ہو گئے تھے کہ بار برداری کے کام کے لیے بھی بے کار ہو گئے تھے۔ داروغہ فیل خانہ جواب داد کہ فیلان چہار چہار فاقہ می دارند، طاقت بارکشی نمی دارند" تاریخ احمد شاہی ص ۱۲۵ الف، ۱۲۶ الف نرپت سنگھ کے ہاتھی کی ہجو کے مطالعہ سے اٹھارہویں صدی میں سرکار مغلیہ کے فیل خانے کی زبوں حالی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کلیات سودا۔ ۱/ص ۳۷۵-۳۷۸

[۳] امداد صابری، ۱۸۵۷ء کے غدار شعرا ص ۵-۱۴ [۴] برنیئر (ت) ۲/ص ۳۱، ۳۰